معتدل اسلامی معاشرے کی تشکیل

ڈاکٹر عامر طاسین

ڈائیریکٹر مجلس علمی فاؤنڈیشن پاکستان

سیرت طیبہ کی روشنی میں

اسلام ایک ایسا دین فطرت ہے جو انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہر اعتبار سے متوازن حل پیش کرتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کہیں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلامی فکر کا یہ امتیاز ہر معاملے میں نمایاں نظر آتا ہے، اس حوالے سے چند پہلو ملاحظہ کیجئے۔

معاملات میں عدل واعتدال

قرآن مجید مثالی معاشرے کے لیے عدل اجتماعی کو بے حد اہمیت دیتا ہے اور وہ سب کچھ بتلاتا ہے جس سے عدل اجتماعی قائم ہوسکتا ہے۔ گویا عدل اجتماعی قرآنی معاشرے کا وہ امتیازی وصف ہے جو قرآنی معاشرے کو دوسرے معاشروں سے ممتاز کرتا ہے اور جس کے بغیر کوئی معاشرہ ہرگز معاشرہ نہیں کہلاسکتا۔ قرآن مجید کے نزدیک ایک انسان کا ہر وہ فعل اور طرز عمل حرام و ناجائز قرار پاتا ہے جس سے کسی بھی انسان کا کوئی حق مجروح ہوتا ہو اگرچہ اس میں اسکی ذات، یا خاندان، قوم اور ملک کا کتنا ہی زیادہ فائدہ کیوں نہ ہو۔ اس لیے قرآن حکیم بہتر معاشرے کی تشکیل کے حوالے سے یہ اصول واضح کرتا ہے۔

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (۱) ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو'' اور سچی گواہی کو اہمیت دیتے ہوئے ایمان والوں کے لیے مزید یہ بھی بیان ہوتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (۲) ''اے ایمان والو تم اللہ کے واسطے قائم رہنے والے اور سچی گواہی دینے والے بن جاؤ''

آپ ﷺ نے عدل واحسان کے اسی فلسفہ کو انسانی معاشرے میں غالب کرنے کی تلقین

اور جدوجہد کی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ "ہر معاملے میں اعتدال اور اقتصاد کو ترجیح دیتے تھے کہ یہی چیز انجام کار اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے آپ ﷺ خود بھی ہمیشہ اسی پر عامل رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید کرتے رہے" (۳) قرآن حکیم نے آپ ﷺ کو میانہ روی کی تلقین اس انداز میں کی وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ (۴) "اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز نیچی رکھو"۔

لہذا اسی تناظر میں اعتدال کی اس روش کو آپ ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو میں اختیار کر کے دکھایا، چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی کے معاملات آپ ﷺ نے ہر حال میں میانہ روی کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ

قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُولَ اللّٰہ اِنِّی لَا تَاَخَّرُ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الْفَجْرِ مِمَّا یَطِیْلُ بِنَا فُلَانٌ فِیْھَا فَغَضِبَ رَسُولَ اللّٰہ ﷺ مَارَاَیْتُہٗ غَضِبَ فِیْ مَوْعِظَۃٍ کَانَ اَشَدُّ غَضَبِناً مِنْہ (۵)

"ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں نماز نہ پڑھ سکوں گا کیونکہ فلاں شخص ہمیں طویل نماز پڑھایا کرتا ہے ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی نبی ﷺ کو غصے میں نہیں دیکھا، فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو (دیکھو) جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیئے کہ ہر رکن کے ادا کرنے میں تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں مریض بھی ہیں اور کمزور بھی اور ضرورت مند بھی ہیں۔" آپ ﷺ اسلام کی تعلیم سے ہمہ وقت معاشرے کو مستفیض فرماتے تھے لیکن اس تمام عمل میں سامعین کی تکلیف ہمیشہ مدنظر رکھی اور اعتدال کے پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ یَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَۃِ فِی الْاَیَّامِ کَرَاھَۃَ السَّآمَۃِ عَلَیْنَا (۶) "آنحضرت ﷺ وعظ و نصیحت روزانہ نہیں فرماتے تھے کہ ہمیں گراں نہ گزرے۔"

آپ ﷺ نے عرب کے اس معاشرے میں اجتماعی عدل کا نظام قائم کر کے ایک ایسے اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالدی جو اعتدال پسندی کا نمونہ تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر میں افراط و تفریط کے اس ماحول کے سدباب کے لیے سیرت کے اُن پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے اور

زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی روش کو اختیار کیا جائے۔ اگر دیکھا جائے تو بے اعتدالی کی ایک کیفیت نے ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اور آئے دن طرح طرح کے اختلافات اور انتشار نے زندگی کو اجیرن بنا کر رکھ دیا ہے۔

منفی جذبات اور تعصب کی مذمت:

اسلام کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کسی حوالے سے بھی منفی جذبات اور انتہا پسندی نظر نہیں آتی بلکہ اس کے ہاں تمام انسانی مسائل کا معتدل، بامعنی اور نہایت مفید حل ملتا ہے۔ قرآن حکیم بھی ایک صلح جو اور امن پسند معاشرہ کا تصور دیتا ہے۔ جہاں صبر و تحمل برداشت اور باہم میل جول اور الفت محبت ہو۔ قرآن حکیم صلح و امن کی اہمیت بیان کرتا ہے اور انتہا پسندی اور تعصب کی ممانعت کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ فتنہ و فساد ہے قرآن کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (۷) ''اور دنیا میں صلح و امن چھا جانے کے بعد فساد نہ پھیلاؤ''۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔ (۸) ''اور دنیا میں فساد نہ مچاتے پھرا کرو''۔ قرآن حکیم صلح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (۹) ''اور صلح بہر حال بہتر ہے''۔

قرآن حکیم معاشرے میں ایسے افراد جو مذہبی اور گروہی تعصب کی بنیاد پر تفریق و امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ انکے لئے قرآن اس انداز سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (۱۰) ''اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

آپ ﷺ قرآن حکیم کی اسی صلح پسند فکر کی روشنی میں افراد معاشرہ کی تربیت فرمائی اور تعصب کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا ''لیس منّا من دعا الیٰ عصبیّة (۱۱) ''نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے لوگوں کو عصبیت کی طرف بلایا'' آپ ﷺ نے نہ صرف ایسے قائدین کی مذمت کی جو عصبیت کی طرف بلاتے ہیں بلکہ ایسے پیروکاروں کی بھی سخت مذمت کی جو تعصب کی بنیاد پہ جنگ و جدل میں حصہ لے کر دوسروں کی جان لیتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ولیس منّا من عصبیّة ولیس منّا من مات علیٰ عصبیّة (۱۲)

''اور نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے کسی عصبیت کے تحت جنگ کی اور نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے

کسی عصبیت کی خاطر جان دی"

انسانی معاشرے میں افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات ،لین دین میں الفت محبت اور اعتدال اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ ﷺ معاشرے میں بغض وعداوت کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے سے تعلق جوڑنے کی بار بار تلقین وترغیب دیتے ہیں اور معاشرے میں ایسے عناصر جو انسانوں کے درمیان نفرت کے ذریعے علیحدگی کی سوچ پیدا کرتے ہیں ان سے ہوشیار رہنے کی تعلیم دی ہے۔آپ ﷺ نے معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے سے مضبوط تعلق کی استواری کو ہمیشہ بنیاد بنایا اور اسی بات تعلیم دی انفرادیت کے مقابلے میں آپ ﷺ نے انسانی معاشرے میں تنظیم،اجتماعیت پر زور دیا ہے اور اتحاد اور یگانگت کو باعث سعادت قرار دیا ہے اجتماعیت کی فضیلت کے بیان میں انتشار سے کنارہ کشی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا علیکم بالجماعة وایّاکم والفرق (۱۳) "جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو" لب لباب یہ ہے کہ سیرت مبارکہ ہمیں معاشرتی زندگی میں ہر طرح کے تعصب اور انتشار سے پاک ماحول بنانے کی تعلیم دیتی ہے اور ہر ایسے عمل سے اجتناب کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس سے معاشرے میں انتہا پسندی اور تعصب کی وبا پیدا ہو۔

صبر و برداشت اور رواداری کی تعلیم:

اسلام چونکہ انسانیت کا دین ہے لہٰذا وہ انسانی معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے اور اس تناظر میں اجتماعی عدل کو اسلام کی روح قرار دیتا ہے۔وہ اپنے پیروکاروں کے اندر صبر و برداشت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بلا مذہبی تعصب اور عداوت کے ہر قوم کے ساتھ عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔قرآن حکیم اپنے پیروکاروں کی سب سے پہلے صبر، برداشت ،رواداری اور بلند حوصلہ کے حوالے سے تربیت کرتا ہے۔تاکہ وہ آپس میں متحد اور بھائی چارے کی فضاء میں رہ کر اس خلق کو اپنے اندر اتنی وسعت دیں تاکہ آگے چل کر پورے معاشرے کے اندر اخوت کی فضاء قائم کر سکیں۔یہ فطری پہلو ہے کہ اگر کسی جماعت کے اپنے اندر رواداری، ہمدردی اور برداشت اور بھائی چارے کا ماحول قائم نہیں وہ دیگر افراد کے ساتھ معاشرہ میں کس طرح غیر انتہاء پسندی سے رواداری برت سکتے ہیں لہٰذا اسلام بھی یہی چاہتا ہے کہ ایک ایسی امت تیار ہو جو اعتدال پر مبنی ہو۔وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا (۱۴) "اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا"

اسلام نے دین اور مذہب کی وحدت قائم کرنے کے لئے یہ اصول پیش کیا کہ تمام انسان ایک رسول کی پیروی کریں جس کے دینی اصول قانون فطرت کے مطابق ہوں اور جس کی شریعت اصولی طور پر تمام نبیوں کی شریعتوں کی جامع ہو چنانچہ قرآن حکیم نے یہ اعلان فرمایا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۱۵) "اے پیغمبر کہہ دیجئے اے لوگوں میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں"۔ اور ساتھ ہی تکمیل شریعت اور رسالت عامہ کے اعلان کے باوجود بھی کسی کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ یہ منادی کرائی کہ کسی کے ضمیر وعقیدہ کے بارے میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۰ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (۱۶) "دین میں زبردستی نہیں میں نے ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو الگ الگ کر کے تم پر واضح کر دیا ہے" یہ اعلان اس لیے تھا کہ انسان اپنی آزاد مرضی سے ایک ایسے دین پر متحد ہو جائیں جو خود ان کے اپنے اندر کی آواز ہے اور فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے یعنی دین اسلام۔

قرآن حکیم کی تعلیمات پر مستشرقین کی جانب سے یہ اعتراض بڑی شدومد سے کیا گیا ہے کہ اس نے جہاد وقتال کو جائز قرار دے کر اسلام کو غالب کرنے کا نظریہ دیا ہے جو حریت، امن اور سالمیت کے منافی ہے، اور اس حوالے سے تاریخ کے بارے میں یہ رائے دی جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور خصوصا عصر حاضر میں جہاد کا مطلب فقط قتل وغارت گری ہی سمجھا جاتا ہے یا اس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ غیر مسلموں کو قتل کرنا، اور ان کو دعوت وتبلیغ سے روکنا اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا اور ان کے لیے معاشرے میں امتیازی قوانین بنانا، یعنی غیر مسلموں کے خلاف جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔ اس حوالے بطور خاص موجودہ عالمی حالات گواہ ہیں۔ حالانکہ اگر تاریخ اسلام کا شعوری نظر سے جائزہ لیا جائے اور قرآنی علوم اور سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے اسلام ظالم اور مظلوم کی جنگ کو جائز قرار دیتا ہے بلکہ عقیدے کی بنیاد پر ہر طرح کے جبر کو ظلم سے تعبیر کرتا ہے۔ اسلام کسی کے عقیدے کو زبردستی تبدیل کرنے کا نظریہ نہیں دیتا بلکہ وہ دلائل وبراہین کے ذریعے عقل وشعور سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے غیر مسلموں کے بارے میں بھی بطور خاص رواداری، وسعت نظری اور انصاف پسندی کی تلقین کی اور اس پر عمل پیرا رہے۔ آپ ﷺ نے مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق کو محفوظ بنا دیا۔ ان کی جان مال عزت وآبرو کو مسلمانوں کے برابر قرار دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت وتبلیغ کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل رہتے تھے آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کو تمام انسانوں تک پہچانا اپنا عظیم مقصد بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نہایت شائستہ، حکمت اور محبت سے اسلام کی حقانیت کو بیان کرتے اور کبھی بھی کفار ومشرکین کے ساتھ جذباتی یا غیر اخلاقی رویہ یا زبردستی، جابرانہ طرز عمل اختیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ ایک عظیم داعی کی حیثیت سے محبت ورحم کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ دعوت وتبلیغ کے لئے عرب کے مختلف اجتماعات میں جاتے اور امن وسلامتی کے اس پروگرام کی دعوت دیتے۔

حالانکہ رحمت اللعالمین نے اپنی حیات مبارکہ میں اذیتیں، مشقتیں، مظالم، بے عزتی کو بڑے صبر واستقلال سے برداشت کیا۔ کسی سے انتقام لینے کا سوچا تک نہیں بلکہ ان تکلیفوں اور اذیتوں کے جواب میں ان کے لئے ہدایت کی دعا فرماتے رہتے تھے اور ہمہ وقت ان کی اصلاح کے لئے سرگرم عمل رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے پایہ استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ ﷺ کی معاشرے سے محبت اور مخلوق کی خدمت کے جذبے میں اضافہ تو ہوا لیکن کہیں بھی اس میں کمی کا شائبہ تک نہ ہوا۔

انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور عصر حاضر:

انتہاء پسندی چونکہ ایک رویہ کا نام ہے جو کہ کسی بھی معاملہ میں ہوسکتا ہے اور معاشرے میں اس انتہاء پسند رویہ کی وجہ سے انتشار وافتراق کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اپنی متشددانہ فکر کے باعث ارتقاء کا عمل بھی رک جاتا ہے، اس طرز عمل سے اپنے مقاصد کو باہم تکمیل تک پہنچانے میں درست اقدامات کو بھی غلط اور جبراً انداز سے پیش کر کے معاشرہ میں نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔ کون آج اس پر عمل پیرا ہے اور کون نہیں؟ یہ بیان کرنے میں بہت وقت درکار ہے۔ جبکہ بنیاد پرستی ان عقائد اور نظریات کا نام ہے جن کی اساس کے بغیر کسی بھی مذہب کی بنیاد ادھوری ہوتی ہے۔ بنیاد پرستی وہ بنیادی اور اہم عقائد ہیں جن سے مذاہب کی پہچان ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ کہ لفظ بنیاد پرستی کا پرچار مغرب میں سب سے پہلے عیسائیوں نے شروع کیا۔ اس حوالے سے کیرن آرم اسٹرانگ کہتی ہیں کہ "اس اصطلاح "بنیاد پرستی" پر مختصراً نگاہ ضرور ڈالنی چاہئے، جس پر کہ بہت زیادہ تنقید کی جا چکی ہے۔ اس حوالے سے سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کرنا شروع کیا تھا بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ان میں سے بعضوں نے زیادہ "لبرل" پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے لیے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کر دیا۔ ان کی رائے میں "لبرل" پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو مکمل طور پر مسخ

کررہے تھے" (۱۷)

اب ایک عجیب اور حیرا کن بات یہ بھی نظر آتی ہے آج جتنی کثرت کے ساتھ مغرب اپنے وسائل کے ساتھ اس بات کا پرچار کرتا نظر آرہا ہے کہ اسلام ایک انتہاء پسند دین ہے مگر اس پروپیگنڈہ کی انتہاء یہ ہے کہ خود اس کے اس رویہ میں کوئی لچک نہیں ہے۔ اور اس کے پرچار میں انتہاء پسندانہ روّیہ کی واضح جھلک موجود ہے۔ انتہاء پسندی کے اس رجحان نے نہ صرف مغرب میں خود کئی مذاہب کو تقسیم کے عمل سے دوچار کیا بلکہ ایک دوسرے کے خلاف نفرت وحقارت بھی پیدا ہوگئی۔ اور اس طرح آپس میں تحریکات نے جنم لیا۔ یہ سلسلہ نہ صرف عیسائیت میں موجود ہے بلکہ یہودیت میں بھی در پردہ عروج پر ہے۔ "ان رجحانات نے یہودیوں میں کئی فرقے پیدا کیے۔ ان میں دو فرقے کہ جو قدامت پرستی پر زور دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جدید نظریات و خیالات ادواروں کا مقابلہ قدیم روایات سے کرنا چاہیے، کیونکہ اگر قدامت پرستی کمزور ہوئی تو اسے جدیدیت ختم کردے گی۔ اس لیے قدامت پرستی کی جڑوں کو اور زیادہ گہرا کیا جائے تا کہ وہ بدلتے حالات کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ ان پر یہودی وجود کا دارومدار ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو تحریکیں جدیدیت کے نظریات کا پرچار کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر قدامت پرستی سے چمٹے رہے تو دنیا بہت آگے نکل جائے گی اور ہم اس کے مقابلہ میں پس ماندہ ہوکر رہ جائینگے۔ اس لیے وقت کا ساتھ دینا چاہیے۔" (۱۸)

اسلامی معاشرے کی تشکیل نو میں معتدل مزاج کی ضرورت:

حاصل کلام یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ جدید سائنسی دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے جس نے ترقی کی موجودہ حقیقت کو جنم دیا اور اسلام ہی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب وماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل وتجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کرکے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ نیز اسلام اپنے اندر ترقی پسندی اور ارتقاء کی ایسی سپرٹ رکھتا ہے جس کو اختیار کرکے دور جدید کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی اسی ترقی پسند فکر کی روشنی میں آپ ﷺ نے دور اول میں معتدل اسلامی معاشرے کی تشکیل نو کی ابتدا کی جہاں اجتماعی

عدل، انسانی حقوق کی پاسداری، جمہوری اقدار، اور علم وحکمت سے رغبت جیسی روایات کو پروان چڑھا کر آنے والے ادوار کے لیے ایک ایسا نمونہ پیش کیا جس کو اختیار کر کے انسانی معاشرے عدل واحسان ، امن وآشتی کی فضا میں اپنا تمدنی سفر جاری وساری رکھ سکتے ہیں۔۔ایسے عالم میں وقت کا تقاضہ ہے کے سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں معتدل اسلامی معاشرے کی تشکیل کی جدوجہد کی جائے، اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کو مشعل راہ بنایا جائے۔تا کہ امت مسلمہ اور پوری انسانیت اس بحران سے نکل سکے اور اسلام کے بارے میں اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

اور پھر ساتھ ہی ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک بہتر اور خوبصورت معتدل اسلامی معاشرے کی تشکیل نو میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں اہل علم اور دانشور مفکرین جو کہ واقعی حقیقی مذہبی ہیں، جو واقعی سیاسی، معاشی مفادات کے آلہ کار نہیں ہیں، جو مذہب کو آلہ کار کے طور پر بالادست مفاد پرست طبقات کی خوشہ چینی اور حمایت کے لئے استعمال نہیں کرتے ان کی تعلیمات سے استفادہ علمی اور فکری رہنمائی کے لئے اور صحت مند معاشرتی اور سماجی نظام کے تشکیل دینے کے لئے انتہائی ضروری ہے، جن سے معاشرے کے اندر اعتدال پسندی پروان چڑھ سکے اور روشن خیال معاشرے کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے اور روادارانہ قیام کے لئے رہنمائی مل سکے۔

حوالہ جات

(۱) القرآن ۵۸:۴

(۲) القرآن ۸:۵

(۳) مولانا رئیس احمد جعفری، اسلام عدل واحسان، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص ۵۵

(۴) القرآن ۱۹:۳۱

(۵) البخاری، کتاب الاذان، باب من شکی امامه اذا طول، رقم الحدیث ۶۶۶

(۶) ایضاً، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یتخولهم بالموعظة، رقم الحدیث ۶۸

(۷) القرآن ۵۶:۷

(۸) القرآن ۶۰:۲

(۹) القرآن ۱۲۸:۴

(۱۰) القرآن ۶۴:۵

(۱۱) سلیمان بن اشعث ابو داؤد، حافظ سنن ابو داؤد، حیدر آباد، مطبعه المعارف، ۱۳۶۲ھ، ص ۳۴۲

(۱۲) ایضاً

(۱۳) عیسیٰ محمد بن موسیٰ الترمذی، کتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، دهلی مطبع احمدی، ۱۲۶۶، ج ۲، ص ۳۶۰

(۱۴) القرآن ۱۴۳:۲

(۱۵) القرآن ۱۵۸:۷

(۱۶) القرآن ۲۵۶:۲

(۱۷) کیرن آرم اسٹرانگ، خدا کے لیے جنگ، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶

(۱۸) ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ اور مذہبی تحریکیں، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۸ء، ص ۹۰ تا ۹۱

☆☆☆☆☆